جدید دنیا میں اسلامی تہذیب کے ممکنہ خدوخال

*پروفیسر ڈاکٹر عامر حنیف راجہ

**ڈاکٹر عبدالرزاق شاہد

Abstract

Islamic civilization is one of the most significant civilizations of the world. It gave new hopes and aspirations for human being. Before Islam peoples were living in the dark ages but Islam had provide them new lights and hopes. In the modern word the importance of Islamiccivilization is same as it was. This article deals with all the important aspects of Islamic Civilization and its significance in the modern world. The key worlds are civilization, universal History, causes and effects, New World Order and modern age.

تعارف

تمام بنی نوع انسان ایک ہستی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک ہی ہدایت مقرر کی گئی اور وہ ہے الٰہی ہدایت ۔ [۱] یہ ہدایت ایک نظام کی حیثیت رکھتی ہے جو کہ عالمگیر نوعیت کا ہے۔لیکن جیسے جیسے بنی نوع انسان گروہوں میں بٹتے گئے تو انہوں نے الٰہی نظام کے مقابلے میں اپنے بنائے ہوئے نظاموں کو کھڑا کرلیا [۲] اور ان میں اپنے اپنے نظام اور تہذیب کی برتری کے لئے کشمکش شدت پکڑتی گئی اور غالب آجانے والوں نے اپنے نظام اور تہذیب کو عالمگیر قرار دیا [۳] ۔حتیٰ کہ انسانی تاریخ کا موضوع اسی عالمگیریت [۴] سے وابستہ ہوگیا اور زمانہ قدیم سے لیکر جدید تک مورخین نے ایک 'عالمگیر تاریخ' (Universal History) کے مختلف اسلوب پیش کئے ۔ یہ دنیا کی صورت حال کو سمجھنے کا ایک تاریخی عمل ہے جو کہ علت اور معلول (Cause and Effect) کے اصول پر چلتا ہے جبکہ ۲۰ ویں صدی کا نقطہ نظر دنیا کو اساسی طور پر ایک تہذیبی صورتحال قرار دے کر سمجھنے کی کوشش کرتا رہا ہے جس کا فکر انسان کی اجتماعی ترقی سے وابستہ ہے [۵] ۔ان دونوں عوامل (تاریخی اور تہذیبی) میں عالمگیریت مشترک چیز ہے۔تحریری آثار کے مطابق یہ سلسلہ Polybius (یونانی مورخ،م ۱۲۶ ق م) سے شروع ہوا عیسائی اور مسلم مورخین سے ہوتا جدید دور تک آیا جس میں کہ مغربی تہذیب کو دنیا کے لئے ماڈل قرار دیا گیا اور تمام ترقی یافتہ ممالک نے اسی ماڈل کو اپنایا۔سوویت روس کے بعد جب سرمایہ داری کی پشتیبان مغربی جمہوریت نے دنیا میں واحد طاقت کے طور پر اپنا اقتدار قائم کرلیا تو ''نئے عالمی نظام'' (New World Order) کے تصور کو فروغ دیا گیا جسے اب تک کی اس کشمکش

*،اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج ،اصغر مال راولپنڈی۔

**ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ تاریخ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور۔

کا تتمہ قرار دیا جاسکتا ہے۔[۶] لہٰذا ایک عالمگیر نظام یا عالمگیر تہذیب کا تصور زمانہ قدیم سے لیکر زمانہ جدید تک اپنے اپنے انداز اور وقت کے تقاضوں کے مطابق پوری شدت کے ساتھ کارفرما رہا ہے[۷]۔ لامحالہ اسلام ایک مکمل نظام ہونے کے باعث اس لازمے سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا تھا۔ اسلامی تہذیب کا دورعروج گزر چکا اور اب مسئلہ اس کی نشاۃ ثانیہ کا ہے۔ زیرنظر مقالہ میں اسی چیز کا جائزہ لیا جائے گا کہ جدید دنیا میں اسلامی تہذیب اپنے بنیادی اصولوں کے ساتھ کس طرح سے اپنا مقام قائم کرسکتی ہے؟۔۔

بحث کا اسلوب اور اس کے مندرجات

چونکہ عالمگیر تہذیب کا تصور ایک تہذیبی کشمکش کے طور پر دور جدید میں سامنے آیا لہٰذا اس کا تجزیہ وتشریح بھی دور جدید کو سامنے رکھ کر کی جائے گی اور دور جدید کا مسئلہ بین التہذیبی تعلقات ہیں۔ لہٰذا اپنے دورعروج میں اسلامی تہذیب جس طرز پر پھیلی اور جس طرز پر اس نے مفتوح تہذیبوں سے اختلاط کیا؛ وہ بحث کا ایک اہم حصہ ہے۔ بحث کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہوگی: عالمگیر تہذیب کا مفہوم اور مختلف حوالوں سے اس کا جائزہ؛ اس کے بارے میں قرآن وحدیث اور سیرت کے مندرجات؛ اسلامی تہذیب کے اصول ومدارج جس سے کہ اسلامی تہذیب کا ایک خاکہ پیش کرنا مقصود ہوگا؛ قرآن وحدیث اور سیرت کے حوالے سے بین التہذیبی تعلقات کی نوعیت اور اس حوالے سے برعظیم پاک وہند کی اسلامی تہذیب کا خصوصی جائزہ؛ مغرب کے غلبے کے مقابلے میں اسلامی تہذیب کا مقام اور اس جدیدیت کے اندر اس کی نشاۃ ثانیہ کے امکانات۔

اسلامی تہذیب: اصول وقواعد کے مصادر

اسلامی تہذیب کے بنیادی خدوخال ان تعلیمات سے طے پاتے ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ ابتدائی اسلامی معاشرے کو قائم کرنے کے لئے بروئے کار لائے۔ اس لئے اسلامی تہذیب کی بنیاد آپ ﷺ کے جامع ارشادات ہیں جو حدیث اور سیرت کی کتب میں محفوظ ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن وحدیث میں بین المذاہب تعلقات کے لئے جو رہنما اصول بیان ہوئے ہیں وہ بھی اسلامی تہذیب کی بنیاد ہیں۔ یہ اسلامی تہذیب ایک آفاقی تمدن کی شکل میں صدیوں کے مراحل میں منصۂ شہود پر آئی۔ لہٰذا جہاں ہم قرآنی آیات اور احادیث کی تشریح سے ایک عالمگیر تہذیب کے تصور کا جائزہ لیں گے وہاں مسلم
فکر اور فلسفہ، جس نے اسلامی تہذیب کی عملی شکل کو متعین کیا، بھی اسی قدر اہم ہیں کیونکہ مسلم فکر تاریخ کے کسی دور میں اپنے نبی ﷺ کی سیرت سے لاتعلق نہیں رہا۔[۸]

عالمگیر تہذیب کا تصور۔۔۔قدیم اور جدید کا فرق

ہم بیان کرچکے کہ عالمگیریت کا رجحان زمانہ قدیم سے ہی شروع ہوگیا تھا البتہ شعوری طور پر عالمگیر تہذیب کا تصور اسلام کا دیا ہوا ہے اور جہاں تک تعلق ہے ایک عالمگیر تہذیب کو ایک منصوبے کے تحت قائم کرنے کا تو وہ جدید دور میں یورپی طرز عمل ہے۔ اسلام کی تعلیمات میں عالمگیر تہذیب کا تصور اور رہنمائی تو موجود تھی لیکن مسلمانوں کی زیادہ تر توجہ فتوحات پر مرکوز رہی اور اسلامی تہذیب ان فتوحات کے ذیل میں مفتوحہ علاقوں میں اپنی جگہ بناتی رہی۔ اسلامی تہذیب کا پھیلاؤ اس کے اصولوں کی

طاقت اور عمدگی کے باعث تھا؛ یہ کسی باقاعدہ منصوبے کا حصہ نہیں تھا جس طرح کے مغربی تہذیب کا معاملہ ہے۔ یورپی اقوام نے باقاعدہ ہدف بنا کر دنیا میں اپنی تہذیب کو فروغ دیا جس کی جدید ترین شکل نیو ورلڈ آرڈر ہے [9]۔ اس وقت مغرب کی تمام تر توانائیاں اسی نیو ورلڈ آرڈر کو نافذ کرنے میں صرف ہو رہی ہیں اور اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلامی دنیا کا اپنی تہذیب سے تعلق ہے۔

انسانی مساوات اور الٰہی قانون ۔۔۔ عالمگیریت کا تقاضا

ایک عالمگیر معاشرے کے قیام کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے ضابطے ایسی ہدایت سے ماخوذ ہوں جس کے لئے تمام انسان برابر ہوں۔ اگر یہ کام کسی انسانی گروہ کے سپرد کر دیا جائے تو لازمی بات ہے کہ قوانین وضوابط طے کرنے میں وہ اپنے گروہ کو سب پر فوقیت دے گا جب کہ دوسروں کو نظر انداز کر جائے گا۔ جیسا کہ مغربی تہذیب کا معاملہ ہے کہ وہ انسانی مساوات کے دعوے کے باوجود وہ مشرقی اقوام کے ساتھ زبردست قسم کی تفریق روا رکھے ہوئے ہے۔ اس کے نزدیک بعض علوم کا علم خاص لوگوں تک محدود ہے جبکہ باقی اس سے محروم قرار دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح بین الاقوامی معاملات کے فیصلے کرنے کا حق صرف چند ممالک کو حاصل ہے اور وہ اپنے مفادات کے مطابق غریب ممالک کی قسمت کے فیصلے کرتے ہیں۔ مروجہ 'عالمگیریت' (Globalization) بھی یہی ہے کہ زیادہ سرمایہ ہونے کے باعث ملٹی نیشنل کمپنیاں غریب ممالک کی معیشت کے فیصلے اپنی مرضی اور مفاد کے مطابق طے کرتی ہیں (۵)۔ لہٰذا انسانوں کے معاملات انسانوں کے حوالے کرنے سے ایک پر امن عالمگیر معاشرے کا قیام کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے الٰہی ہدایت کی طرف رجوع کرنا لازمی بات ہے جس میں انسانوں کے حسب نسب اور رنگ نسل سے قطع نظر ان کے اعمال و اخلاق کو مقدم رکھا جاتا ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں جس معاشرے کی بنیاد رکھی اس میں انسانی مساوات کا یہ مظاہرہ بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔

چونکہ ہم نے واضح کیا کہ ایک عالمگیر معاشرے کا قیام الٰہی ہدایت کو اختیار کئے بغیر ممکن نہیں اور اسلامی تہذیب کی بنیاد اسی الٰہی ہدایت پر ہے اس لئے اسلامی تہذیب کا دیگر مذاہب کی بنیاد پر قائم ہونے والی تہذیبوں سے معاملہ ہی ایک عالمگیر معاشرے میں اسلامی تہذیب کے ممکنہ خدوخال کو واضح کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت ۔۔۔ عالمگیریت کا اعلان

رسول اللہ ﷺ مختلف قبائل کے سامنے اور جاہلیت کے میلوں میں جو دعوت پیش کیا کرتے اس کے الفاظ یہ ہوتے

یاائہا الناس قولوا لاالہ الا اللہ تفلحوا و تملکوا بہاالعرب وتذل لکم بہا العجم [۱۰]

(اے لوگو اس چیز کا اقرار کر لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تم کامیاب ہو جاؤ گے، عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجم تمہارے زیر نگیں آ جائے گا)

عرب و عجم کی یہ ملکیت ہوس جہانگیری کی ترغیب نہیں تھی بلکہ توحید کی بنیاد پر ایک عالمگیر تہذیب کے قیام کی طرف

اشارہ تھا جیسا کہ بعد میں رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ معاشرے کے اوصاف سے ظاہر ہوا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی عالمگیریت کے لئے قرآن میں واضح طور پر آ گیا۔

إِنِّی رَسُولُ اللّٰهِ إِلَیْکُمْ جَمِیْعاً

(کہ دیجئے اے بنی نوع انسان میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ الاعراف ۱۵۸)

اور یہی نہیں بلکہ اس بعثت کی عالمگیریت کو ایک مقصد اور منصوبے کے طور پر پیش کیا گیا جس کے لئے ارشاد ہوا

هُوَ الَّذِیْ أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهِ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُون

(وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے، اگر چہ یہ کافروں کو برا لگے۔ الصّف ۹)

سیرت کا مفہوم بین الاقوامیت سے مربوط ہے

''اسلامی علوم وفنون کی اصطلاح میں سیرت کا لفظ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے اس طرز عمل کے لئے استعمال کیا گیا جو آپ نے غیر مسلموں سے معاملہ کرنے اور جنگوں میں یا صلح اور معاہدات کے معاملات میں اپنایا''۔ [۱۱] شروع میں سیرت کو مغازی اور سیر کے نام سے جانا جاتا تھا بعد میں مغازی کو تاریخی حوالے سے لیا جانے لگا اور سیر نے فقہ کی شکل اختیار کر لی۔ سیر پر سب سے پہلی کتاب اہل بیت نبی سے ہی زید بن علی بن حسینؓ نے المجموع فی الفقه کے نام سے لکھی اور اس طرح سے دنیا کے پہلے بین الاقوامی قانون کی تفصیلات کا آغاز ہوا۔ [۱۲] دوسرے لفظوں میں سیرت کا مفہوم ہی بین الاقوامیت سے مربوط ہے۔

اسلامی تہذیب کا اصول اور ارتقا۔۔۔ایک اجمالی جائزہ

بنیادی طور پر اسلامی تہذیب مذاہب سامیہ کی تہذیبوں کے وسیع تر دائرہ میں آتی ہے اور اس کا نقطہ آغاز حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ [۱۳] قرآن میں ملت ابراہیمی کا ذکر بارہا دفعہ آیا ہے۔ ویسے بھی تمام انبیا ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا۔

إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُکُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّکُمْ فَاعْبُدُون

(یہ تمہاری امت ہے جو حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا پروردگا ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو۔ الانبیا ۹۲)

اس کی تشریح میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''ہم انبیا کی جماعت اولاد علات ہیں (جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوں) ہمارا دین ایک ہی ہے''۔ [۱۴]

سورہ بقرہ میں ملت ابراہیمی کے ذکر کے ساتھ یہ بات بھی فرمائی گئی۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ﴿۱۳۸﴾[۱۵]

یہاں **صبغة الله** کو اسلامی تہذیب وثقافت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جبکہ اسی آیت میں نحن له مسلمون اور نحن له عبدون اسلامی تہذیب کا پہلا بنیادی اصول ہیں۔ اللہ تعالی کی ذات گرامی کی صفات مومن میں جھلکتی ہیں جنہیں وہ اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے بروئے کار لاتا ہے۔ لہٰذا عہد نبوی میں اور اسکے بعد مسلمانوں نے قرآن وسنت کی رہنمائی سے مختلف علاقوں اور مختلف اوقات میں جمہور اہل علم کے زیر اثر جو تصورات قائم کئے اور ان کی بنیاد پر جو معاشرے پروان چڑھائے وہ اسلامی تہذیب کے مختلف مظاہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ میں ایک اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی۔ اس معاشرے میں جن مذہبی، سیاسی اور معاشرتی قدروں کو پروان چڑھایا گیا وہ اسلامی تہذیب کی ایک خالص شکل تھی۔ حقیقت میں ریاست مدینہ کا آغاز ہی دراصل اسلامی تہذیب اور تمدن اور امت مسلمہ کا آغاز ہے۔[۱۶] لیکن اسلامی تہذیب کی یہ شکل عرب سماج کے قالب میں ڈھلی ہوئی تھی جس کی بنیادی خصوصیت بدوی سادگی تھی لہٰذا عبد اور معبود کے تعلق پر بہت زور تھا اور زندگی کے باقی زاویے بھی اسی تعلق سے طے ہوتے تھے۔ جب اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر ایران اور ہندوستان تک وسیع ہوا تو بدوی سادگی کے برعکس تصنع اور فلسفے سے نبرد آزمائی ہوئی جس سے علم الکلام اور تصوف تہذیب کے مظاہر بن کر سامنے آئے اور ان علاقوں میں اسلامی تہذیب کی پہچان بنے۔ عباسی دور کی اسلامی تہذیب عرب وعجم کا امتزاج تھی۔ چونکہ عباسی دور خلافت صدیوں پر محیط ہے اس لئے بعد کے دور کی اسلامی تہذیب کے مظاہر کے وہی معیار قرار پائے جو عباسی دور میں فیصل کی حیثیت رکھتے تھے۔

اسلامی تہذیب کے مختلف قالبوں میں روح ایک ہی کارفرما تھی وہ تھی توحید کی روح۔ یہی اسلامی تہذیب کا بنیادی اصول ہے۔ ہر طرف اللہ کا رنگ ہے البتہ اس کی پرچھائیاں (shades) مختلف ہیں۔ اسی چیز کو سراج منیر نے سیرت کے ضمن میں تجسیم کمال اور اس سے نکلنے والی لہروں کا نام دیا (دیکھئے حواشی ۸)۔ جہاں کہیں اس اصول سے روگردانی کرنے کی کوشش کی گئی تو جمہور علماء نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ بعض جگہ اصول توحید سے متصادم مظاہر مسلم معاشروں میں رائج بھی ہوئے لیکن ان کا دائرہ کار زیادہ تر جاہل عوام تھے نیز انہیں اسلام کے علمی اثاثے میں کسی قسم کی کوئی جگہ نہ مل سکی۔[۱۷]

نحن له عبدون کے بعد دوسرا اصول **انی رسول الله الیکم جمیعا** کا ہے۔ اس آیت سے یہ لازم ٹھہرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت، ان کے اقوال وافعال میں زندگی کی رہنمائی کے لئے بے شمار امکانات موجود ہوں تا کہ ان کے ثمرات تمام بنی نوع انسان تک محیط ہو سکیں۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اپنے خانگی معاملات سے لیکر فرمانرواؤں سے تعلقات تک میں اپنی سیرت کے نمونے چھوڑے۔ قرآن اور سنت کے مطالب کی وسعت نے اسلامی تہذیب کو صحیح معنوں میں ایک آفاقی تہذیب بنا دیا۔

قرآن وسنت کے جائزہ سے اسلامی تہذیب کا جو مزاج سامنے آتا ہے وہ احمت داؤ وتوگلو (Ahmet

(Dovutoglu) کے تجزیہ سے بہت قریب ہے جس کے مطابق اسلامی تہذیب مضبوط strong اور لچکدار flexible ہے۔[18] اول الذکر خاصیت اصول کے حوالے سے ہے جبکہ ثانی الذکر کا تعلق مظاہر کی تشکیل سے ہے۔ یعنی وہ ایک عالمگیر معاشرے کے قیام کے لئے دوسری تہذیبوں سے تعلق قائم کرنے کو تو تیار ہے لیکن کسی صورت ان میں مدغم ہونے کو تیار نہیں۔ اسلامی تہذیب کی حیثیت غالب ہے اور وہ ایک علیحدہ تشخص رکھتی ہے۔

اسلامی تہذیب قدیم آریائی یا جدید مغربی تہذیب کی طرح سخت (Rigid) نہیں جو ایک خاص قوم اور علاقے کے قوانین کو دوسروں پر بعینہٖ لاگو کرتی ہیں۔ وہ نہ ہی ہندو تہذیب کی طرح داخلی پسند (Introvert) ہے جو باہر کی دنیا سے کوئی تعرض نہیں کرتی اور نہ ہی چین کی تہذیب کی طرح علاقائی ہے۔ دوسری اقوام کے اسلام میں داخلے کا سب سے اہم سبب اسلامی تہذیب کا لچکدار ہونا ہے۔ اور اس کی یہی خاصیت اسے ایک عالمگیر تہذیب بنانے کی راہ کو ہموار کرتی ہے۔

ایک عالمگیر معاشرے کا قیام۔۔۔اسلامی تہذیب کے دیگر تہذیبوں سے روابط کے اصول اور مظاہر

عام طور پر بڑی تہذیبوں کی بنیاد مذاہب ہی ٹھہرے۔[19] مثال کے طور پر سیکولر ہونے کے باوجود مغربی تہذیب عیسائیت سے عبارت ہے اور عیسائیت کے عنصر کو منہا کر کے اسے سمجھنا مشکل ہوگا۔[20] بڑے مذاہب، جن میں ہندومت بھی شامل ہے، میں ایک خدا کا تصور کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ اسی مشترک اصول کو بنیاد بنا کر اسلام ایک عالمگیر معاشرے کی تفصیلات طے کرتا ہے۔ اس لئے وہ سب سے پہلے دیگر مذاہب کو خدا کے اصل تصور کی طرف لوٹ جانے کو کہتا ہے۔ لہٰذا قرآن میں بیان ہوا:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً۔۔۔الخ

(کہہ دیجئے اے اہل کتاب آؤ اس کلمے کی طرف جو ہمارے اور تمہارے مابین مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ایک دوسرے کو اپنا رب نہیں بنائیں گے۔۔۔ آل عمران ۶۴)

یعنی عالمگیریت کے لئے توحید الٰہی بنیادی چیز ہے جبکہ دوسری کسی بنیاد پر انسانوں کے درمیان تقارب ممکن نہیں۔ مثال کے طور پر سماج کو ایک مقدم چیز سمجھا جاتا ہے لیکن ہر سماج دوسرے سے مختلف رسوم کا حامل ہے اور اپنے معیارات کو دوسروں پر فوقیت دیتا ہے؛ لہٰذا سماج کو فوقیت دے کر ایک عالمگیر معاشرہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔[21] ایک کامل عالمگیر معاشرے کا قیام صرف ایک مشترک اصول کے ہونے سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو بعثت محمدی سے قبل گزر چکے یا اب موجود ہیں لیکن بعثت کی خبر ان تک نہیں پہنچی اور وہ توحید کے بنیادی اصول کو تسلیم کرتے ہیں انہیں بھی اسلام نے **لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون**[22] کی نوید سنائی گئی ہے۔

لیکن ایک کامل عالمگیر معاشرہ مثالی چیز (utopia) ہے کیونکہ ہر کسی کو تبدیلی مذہب پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا دیگر مذاہب سے تعلقات کی تفصیل کو طے کیا گیا اور انہیں ان کے مذہب پر رہتے ہوئے اسلام کے عالمگیر معاشرے کا حصہ بنایا گیا۔

مثال کے طور پر معاشرتی حوالے سے اہل کتاب کے ذبیحہ اور عورتوں کو مسلمانوں کے لئے حلال قرار دینا ایک عالمگیر معاشرے کی راہ ہموار کرنے کا مظہر ہے۔ بنیادی انسانی حقوق کے حوالے سے جزیہ کے عوض غیر مسلم شہریوں کی حیثیت مسلمانوں کے برابر جانی جاتی ہے۔ اس مظہر کو ایک مغربی مفکر نے مذہبی جمہوریت (Medeival Religious Democracy) سے تعبیر کیا ہے۔[۲۳]

اسلامی تہذیب کے سیاسی پہلو کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کے بحیثیت سربراہ ریاست اقدامات ایک عالمگیر معاشرے کے لئے بہت موافق ثابت ہوسکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مدینہ میں مختلف قبائل کے درمیان میثاق بہت اہمیت کا حامل تھا جس سے ایک کثرت پسند معاشرہ (Pluralistic Society) وجود میں آیا۔ صلح حدیبیہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی جس سے مکہ اور مدینہ کے درمیان معاشرتی تعلقات پھر سے بحال ہوگئے۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا بحرین کے حاکم کو خودمختاری دینا اور قیصر و کسریٰ کے فرمانرواؤں کی طرف دعوتی خطوط بھیجنا بھی اسی سیاسی پہلو سے متعلق تھا۔

الاسلام یعلو۔۔۔غلبہ اسلام

توحید کے 'اصول' کا عملی پہلو اسلام کو دنیا میں غالب کرنا ہے جو بعثت محمدی ﷺ کا مقصد ہے۔ (هُوَ الَّذِىْ أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُون) ایک کثرت پسند معاشرہ قائم کرنے کے لئے یہ ضرور کیا گیا کہ غیر مسلموں کو اسلامی مملکت میں ایک باعزت شہری کے حقوق دیئے گئے لیکن 'اصول' میں ان پر 'جزیہ عائد کرنے' کو ان کی 'تحقیر' سے تعبیر کیا گیا جو وحی کو رد کرنے کے باعث لازم آتی ہے۔[۲۴] اسی طرح معاشرتی حوالے سے اہل کتاب کے ساتھ کھانا پینا اور شادی کرنا جائز قرار دیا گیا لیکن 'اصول' کو رد کرنے کے باعث وہ **نجس**[۲۵] اور **شر البریة**[۲۶] ٹھہرے۔

الاسلام ملة۔۔۔اسلامی تشخص

اسلامی تہذیب کا ایک بہت اہم پہلو اسلامی تشخص کا بھی ہے جو مسلمانوں کے دوسری اقوام میں ادغام کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ قرآن کریم کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اس بارے میں بہت واضح اور صریح ہیں ہیں۔ لہٰذا ارشاد ہوا

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ الْكَافِرِيْنَ أَوْلِيَاء مِن دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ

(اے ایمان والو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست مت بناؤ۔ النسا ۱۴۴)

اسی طرح کے مفہوم کی مزید آیات دوسرے مقامات پر آئی ہیں۔[۲۷] اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے **الکفر ملة والاسلام ملة** کے دوٹوک الفاظ میں مسلم امت کو باقی سب دنیا سے ممیز کردیا۔ اس کے علاوہ کسی قوم کی خصوصی پہچان کو اختیار کرنے سے بھی منع فرمایا گیا، **من تشبه بقوم فهو منهم**[۲۸] کہ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔ یہودیوں کی حق کے تسلیم کرنے میں ہٹ دھرمی کے پیش نظر مزید زور دے کر کہا گیا **خالفوا الیهود فانهم لا یصلون فی خفافهم ولا نعالهم**[۲۹] (یہودیوں کی مخالفت کرو کہ وہ موزوں اور جوتوں میں نماز نہیں پڑھتے) جبکہ دوسری جگہ **خالفوا الیهود صوموا**

التاسع والعاشر[۳۰] (یہودیوں کی مخالفت کرو نو اور دس [محرم] کا روزہ رکھو)۔

یہ تمام باتیں مسلمانوں میں یہ احساس اجاگر کرنے کے لئے ہیں کہ وہ دوسروں سے یکسر علیحدہ ہیں اور ان کا اپنا دین ہی ان کے لئے کافی ہے۔اسی لئے مخلوط مذہب کے نظریہ کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ **ان الدین عند اللہ الاسلام** (بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے)اور یہ کہ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ (جو کوئی اسلام کے علاوہ دین چاہے گا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں گھاٹا پانے والوں میں سے ہوگا۔آل عمران ۸۵)

اسلامی تہذیب کی عالمگیریت۔۔۔برصغیر کی مسلم تہذیب کا خصوصی جائزہ

ہم نے بیان کیا کہ اسلامی تہذیب اپنے بنیادی اصول کے حوالے سے بہت مضبوط ہے۔اس چیز کی مزید وضاحت کے لئے ہم ہندوستان میں اسلامی تہذیب کے پروان چڑھنے کا خصوصی جائزہ لیتے ہیں جس سے اسلامی تہذیب کی 'اصول' میں مضبوطی کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ہندوستانی مذہب جسے ویدانت سے موسوم کیا جاتا تھا باقاعدہ ایک گہرے فلسفے کا حامل تھا جس کا ارتقاء صدیوں پر محیط تھا۔دلچسپ بات یہ ہے کہ ویدانت کی تعلیمات محض فلسفے کی حد تک محدود نہیں تھیں بلکہ ایک نظام کے اندر پوری طرح کارفرما تھیں جو دوسرے مذاہب کو اپنے اندر جذب کرنے کی خصوصیت رکھتا تھا اس طرح کہ وہ الگ ہونے کے باوجود اسی کا حصہ محسوس ہوں۔ بدھ مت، جین مت اور سکھ مت ہندوازم کے خلاف ردعمل کے طور پر سامنے آئے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سے ہم آہنگ ہوگئے۔ ہندوازم نے یہی کھیل بھگتی تحریک کے ذریعے مسلمانوں کے ساتھ بھی کھیلنے کی کوشش کی اور اس کے لئے تصوف کے دروازے کو استعمال کیا گیا جو مسلم صوفیا میں رائج تھا۔مسلم صوفیا کے گروہ نے ہندوؤں کے فلسفیانہ افکار سے اختلاط کیا جس سے اسلامی تصوف کے اندر مزید گہرائی پیدا ہوگئی۔مسلم صوفیا وحدت الوجود کے نظریئے سے منسلک تھے جو ہندوؤں میں ایک قدرے مختلف شکل لیکن مشترک اصول میں پایا جاتا ہے۔[۳۱] وحدت الوجود اپنی تفصیلات میں اسلام کے بنیادی اصول توحید سے یکسانیت نہیں رکھتا تھا لہٰذا اسے علماء کے طبقے کی سند حاصل نہ ہوسکی۔لیکن صوفیا چونکہ عوام پر زیادہ اثر رکھتے تھے اس لئے بھگتی کے اثرات پھیلتے چلے گئے اور اس سے ہندوازم کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔مسلمانوں کے ہندوؤں کے ساتھ گھلنے ملنے کی ایک اور وجہ ہندوستان میں حدیث کی کمیابی بھی تھی۔ یہاں حدیث کا رواج بہت بعد میں ہوا۔ایک غالب خیال کے مطابق عبدالحق محدث دہلوی ہندوستان میں حدیث کے پہلے عالم تھے[۳۲] اور وہ مغل بادشاہ اکبر(۱۶۰۵ء۔۱۵۵۶ء) کے ہم عصر تھے۔ حدیث کے عام ہونے سے وحدت الوجود سے توجہ ہٹنے لگی اور سترھویں صدی کے شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (۱۶۲۵ء ۔۱۵۶۴ء) نے وحدت الوجود کی تہذیب کرکے وحدت الشھود کے تصور کی بنا ڈالی جو قرآن وسنت کے تصور توحید سے زیادہ میل کھاتا ہے۔اس طرح سے ہندوستان کے مسلمانوں کا وہ مسئلہ حل ہوگیا جو ان کے اصول کی بنیادوں کو ہلا رہا تھا۔وحدت الشھود کا نظریہ سلسلہ مجددیہ کی بنیاد بنا جو اس قدر مقبول ہوا کہ برصغیر کی حدود سے باہر تک پھیل گیا۔اس کے علاوہ مجدد الف ثانی وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو اکبر کے مخلوط دین کے نظریہ کے مقابلہ میں ان کے علیحدہ تشخص کا احساس

دلایا۔ یہ احساس اس سے قبل وحدت الوجود کے نظریے کے باعث دھندلا گیا تھا بلکہ اکبر کا مخلوط دین کا نظریہ وحدت الوجود سے ہی متاثر تھا۔[۳۳] مسلمانوں کے علیحدہ تشخص کا احساس اس کے بعد کبھی ماند نہ پڑا اور ایک الگ وطن کے مطالبہ میں بھی یہی سوچ کارفرما تھی۔

یہ تو بات ہوئی تہذیب کے اصولی پہلو کی جہاں تک معاشرت کا تعلق ہے تو اس میں بھی برصغیر کو دوسرے خطوں کے مقابلے میں انفرادیت حاصل ہے۔ اردو زبان کی ترویج مسلمانوں کی دوسری قوموں کے ساتھ ملکر ایک عالمگیر معاشرے کے قیام کی کوشش کا مظہر ہے۔

ہم نے دیکھا کہ اصول کے مسئلہ میں وحدت الوجود کو بھی برداشت نہیں کیا گیا اور پیہم فکر نے وحدت الشھود کو جنم دیا۔ لہٰذا ایسی صورتِ حال نا قابل قبول تھی جو اصول کی محدود پیمانے پر بھی نفی کرتی ہو۔ اسی لئے اکبر کا دین الٰہی فوراً مسترد کر دیا گیا جو اس کی موت کے ساتھ ہی دم توڑ گیا۔ سکھ مذہب کو اسلام کے بہت سے اثرات اپنے اندر سموئے ہوئے تھا لیکن اس فرقہ میں مسلم قوم کا چھوٹے سے چھوٹے پیمانے پر بھی کوئی ادغام مشاہدہ میں نہیں آیا۔ مختصراً یہ کہ اسلامی تہذیب نے اپنے اصول کو قائم رکھتے ہوئے ایسے مظاہر کو فروغ دیا کہ ایک پرامن اور کثرت پسند معاشرے میں صدیوں تک رہنے کے باوجود بھی اپنی الگ شناخت کو برقرار رکھا۔[۳۴]

مغربی تہذیب کی آفاقیت کا نظریہ اور مسلم ردعمل۔۔۔اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کی ممکنہ راہیں

احمت نے مغربی تہذیب کی خاصیت Rigid اور Strong بیان کی ہے جو اپنے اصول اور مظاہر دوسروں پر بعینہٖ لاگو کرنا چاہتی ہے۔[۳۵] مغربی تہذیب کا بنیادی اصول جدیدیت (Modernism) اور لادینیت (Secularism) ہے لیکن اس میں مغربیت کی جھلک بہت نمایاں ہے اور تعصب کا تاثر رکھتی ہے[۳۶] اسی لئے اسے Rigid تصور کیا گیا ہے۔ ہر جگہ مغربی تہذیب ایک ہی رنگ ہے میں نظر آتی ہے اور اسلام کی طرح اس کی ذیلی ثقافتیں (ہندوستانی، افریقی وغیرہ) وجود میں نہیں آئیں۔ اس Rigidity کا ردعمل دو صورتوں میں ظاہر ہوا؛ بعد جدیدیت[۳۷] (Post-Modernism) اور اسلامی احیا (Islamic Revivalism)۔ بعد جدیدیت کا نظریہ خود مغربی دنیا میں مغربی حکومتوں کے استعماری اقدامات کے باعث پروان چڑھا جس کے زیر اثر تیسری دنیا کے پڑھے لکھے افراد نے جدیدیت کے مغربی تصور کے برعکس اپنی ثقافتوں کو پروان چڑھانے کی بات کی۔ اس حوالے سے انڈیا کا Subaltern School بہت اہم ہے جس نے تاریخ نویسی میں مقامی تذکروں (Local Accounts) پر زور دینے کی تحریک چلائی۔[۳۸] چائنہ کی اپنی تہذیب کے حوالے سے خوداعتمادی اور لاطینی امریکہ کے بعض ممالک کا امریکہ کی سیادت کو تسلیم کرنے سے انکار مغربیت کے رد کا مظہر ہیں۔[۳۹]

جہاں تک معاملہ ہے اسلامی احیا کا تو وہ جدیدیت کے لادینی عنصر کے ردعمل کے طور پر سامنے آیا۔[۴۰] چونکہ اسلامی تہذیب کی ساری عمارت دین کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے اس لئے سیکولرزم کا نظریہ اسلامی دنیا کے لئے نا قابل قبول رہا۔ لہٰذا

اسلامی احیا کے مفکرین نے جدیدیت میں سے لادینیت کو منہا کر کے اسلامی تہذیب کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی طرح ڈالی۔ بیسویں صدی کے آغاز کی اسلامی تحریکیں اسی سوچ کی حامل تھیں اوران کے قائدین جدید اداروں کی افادیت کے مکمل طور پر قائل تھے۔ جمال الدین افغانی، محمد عبدہ، رشید رضا اور حسن البنا وہ شخصیات ہیں جنہوں نے اسلامی تہذیب کو جدید قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ [۴۱] لیکن مغرب کی مسلسل اور بڑھتی ہوئی استعماریت نے ان کوششوں کو انتہائی شکل سے بدل دیا۔ بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں اسلامی احیا (Revivalism) شدت پسندی (Radicalism) سے بدل گیا [۴۲] اور سرے سے جدیدیت کو ہی صفحۂ ہستی سے مٹانے کا عزم کر لیا گیا۔ اسلامی شدت پسندی کا پہلا تصادم کمیونزم سے ہوا اور یہ تصادم فیصلہ کن ٹھہرا اور اس کے بعد اب وہ مغربی جدیدیت کے سامنے خم ٹھونک کر کھڑی ہے۔ اسلامی شدت پسند اپنے پیشرووں (اسلامی احیا کے قائدین) کے نظریئے کے برعکس مغرب سے کسی قسم کا فلسفہ درآمد کرنے کے قائل نہیں اور یورپ کی تہذیب کے ہر پہلو کو اپنے پاؤں تلے روندنے کی بات کرتے ہیں۔

دوسری طرف چونکہ یورپ کے مسلم دنیا پر ایک طویل اور منظّم غلبے نے یہاں کے معاشرے کے فکر و نظر کو بہت متاثر کیا اور تا حال یہاں کے سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی ادارے جدید طرز کے ہیں نتیجتاً ان اداروں سے منسلک لوگ اپنے لئے جدیدیت کو خارج از عمل قرار دینا مشکل جانتے ہیں۔ اسی صورت حال کے پیش نظر ابتدا کی احیائی تحریکوں نے جدیدیت کا کلی انکار نہیں کیا۔ یہ وہی لچک تھی جو اسلام کے اولین دور میں مختلف معاشروں میں اسلام کے غلبے کی صورت میں اپنائی گئی؛ جس کا تذکرہ اس سے پیشتر ہو چکا۔ یعنی اسلامی احیاء کو جدید دور میں توحید کی بنیاد پر ایک عالمگیر معاشرے کے قیام کی کوشش کہا جا سکتا ہے۔ لیکن شدت پسندی نے مغرب زدہ معاشرے کو اسلامی بنانے کے لئے مظاہر میں سختی کی پالیسی کو اپنایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود مسلم معاشرے روایت پسندوں اور جدت پسندوں کا میدان جنگ بن گئے جبکہ دونوں کا مقصد ایک اسلامی معاشرے کا احیا تھا۔

اس ساری صورت حال کے باوجود سرد جنگ کے بعد یہ نظریہ منظر عام پر آیا کہ اب دنیا کے لئے مغربی تہذیب ایک آفاقیت کی حیثیت رکھتی ہے اور فوکویاما کے مطابق اس تہذیب کے دنیا کے طول وعرض میں اپنائے جانے کے بعد قوموں کی آپس کی کشمکش اختتام پذیر ہو جائے گی اور یہی End of History ہے۔ جبکہ مذہبی بنیادوں پر تصادم سرد جنگ کے فوراً بعد بڑی شدت سے شروع ہو گیا جس میں بڑے پیمانے پر مسلمانوں کی نسل کشی کے واقعات ملتے ہیں۔ [۴۳] اس چیز کو دنیا میں واضح طور پر محسوس کیا جا رہا ہے کہ سرد جنگ کے دوران جو محاذ مغربی سرمایہ داری نے اشتراکیت کے خلاف کھول رکھا تھا اب اس کا ہدف اسلامی دنیا بن چکی ہے۔ اس کی اصل وجہ اسلام اور سیکولرزم کا بنیادی فرق ہے جو عالمگیر معاشرے کے قیام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ لہٰذا سیکولر مغربی تہذیب کی بالادستی قابل قبول نہیں کیونکہ وہ اسلام کے بنیادی اصول وحی، جو اسلامی تہذیب کا مضبوط (Strong) پہلو ہے، سے متصادم ہے۔ البتہ مغربی تہذیب کے وہ مظاہر جو واقعتاً آفاقی (Universal) ہیں انہیں

اسلامی دنیا نے اختیار بھی کیا ہے۔ لیکن اس طرح سے کوئی عالمگیر معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا کیونکہ مغرب ایک تو اپنی بالادستی کو قائم رکھنا چاہتا ہے دوسرا وہ مسلمانوں کو کسی صورت جدید ماننے پر تیار نہیں جبکہ اسلام کا کسی دوسری تہذیب کی بالا دستی کو قبول کرنا اس کے اصول کے خلاف ہے۔

اس کی ایک واضح مثال ترکی کی ہے جس میں مصطفیٰ کمال پاشا نے مغربی جدیدیت کو کلی طور پر اختیار کرنے کی طرح ڈالی اور مذہب کو ایک ذاتی مسئلہ قرار دے دیا گیا۔[44] لیکن تاحال یورپی یونین ترکی کو اپنے اندر شامل کرنے پر تیار نہیں۔ کیونکہ اسلام کو ماننے والے جس قدر بھی اسے ذاتی مسئلہ قرار دے لیں یا مسجد تک محدود کرلیں وہ بہرحال ان کی زندگیوں پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ترکی کے یورپی یونین کا حصہ بننے کا امکان نہایت کم ہے جب تک کہ اسلامی تہذیب کے بنیادی اصول کی ہلکی سی رمق بھی ترکی کے مسلمانوں میں باقی ہے۔[45] اسی طرح امریکہ میں ایک حالیہ کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر وفا سلطان نے نیو ورلڈ آرڈر کی ذہنیت کو واضح کیا کہ مسلمانوں کے پیغمبر کے خاکے بار بار چھپنے چاہئیں اور جب مسلمان اس پر احتجاج کرنا چھوڑ دیں گے تو ہم سمجھ لیں گے کہ وہ جدت پسند ہو گئے ہیں۔[46] ایسے رویوں نے مسلم دنیا میں انتہا پسندی کو فروغ دیا ہے جو مغرب کو بالکل اسی طرح نیست و نابود کرنے کی بات کرتی ہے جس طرح کہ مغرب اسلام کو۔ ایسی صورت میں تقارب اور ہم آہنگی کا نہ صرف یہ کہ امکان باقی نہیں رہتا بلکہ تصادم نقطۂ عروج کی طرف بڑھ رہا ہے اور اس کا ذمہ دار مغرب کو قرار دیا جا رہا ہے۔

البتہ جدید سائنس کا میدان ایک ایسی جہت ہے جو اسلام اور سیکولرزم کے درمیان ہم آہنگی پیدا کر کے سیکولر ذہنوں کے لئے اسلامی تہذیب کا ایک نیا دائرہ کھینچ سکتی ہے اور اس طرح سے ایک عالمگیر معاشرے کی راہ کو ہموار کیا جا سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح عالمی تصوف میں وحدت الشھود کے نظریئے نے کھینچا۔ اس سلسلے میں ایسے مسلمان سائنسدانوں کی ضرورت ہے جو اسلامی تہذیب کا گہرا ادراک رکھتے ہوں۔ محض مادی ترقی کرنے کی غرض سے سائنس میں منزلیں مار کر مسلمان مغرب کے ذہنوں میں قائم مسلم پسماندگی کے تاثر کو نہیں دھو سکتے جسے مغرب مسلمانوں کے مذہب سے وابستہ دیکھتا ہے۔ قرآن کی بیشمار باتوں کو سائنس سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کے سائنسی ثبوت اسلامی فکر سے منسلک کر کے پیش کئے جائیں تو موجودہ دور میں ہم آہنگی کی صورت نکل سکتی ہے۔

بین التہذیبی تعلقات اور جہاد۔۔۔اسلامی تہذیب کے کامل غلبے کا نظریہ

سرد جنگ کے خاتمے کے بعد روس کے محاذ سے فارغ ہونے والی جہادی قوتوں نے دنیا کے مختلف محاذوں پر ''امریکہ کہ شہ پر غیر مسلم طاقتوں کے مسلم علاقوں پر قبضے'' کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ اس کا پھیلاؤ اس قدر تیزی سے ہوا کہ امریکہ براہ راست اس میں شامل ہو گیا اور اب افغانستان اور عراق کے محاذ کھلنے سے باقی سب محاذ پس منظر میں چلے گئے۔ لہٰذا اس وقت عالمی منظرنامے پر امریکہ اور جہادیوں کی کشمکش کا کھیل جاری ہے اور عالمی سیاست کا رخ اسی کھیل کے اتار چڑھاؤ سے متعین ہو رہا ہے۔ ہنٹنگٹن اسے تہذیبوں کے تصادم کے بہت اہم دور کی حیثیت سے دیکھتا ہے جو عالمی غلبے کے حوالے سے فیصلہ

کن ثابت ہوسکتا ہے۔

اس مقام پر ہم نے یہ جائزہ لینا ہے کہ جہادی تحریکوں کے نقطہ نظر میں اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کا کیا تصور کارفرما ہے۔ عالمی سطح پر موجودہ دور کے حوالے سے یہ بہت اہم نقطہ ہے۔ جہادی تحریکیں اسلام کے عسکری یا جہادی پہلو پر بہت زیادہ زور دیتی۔ جیسا کے شروع میں بیان ہوا کہ سیرت کے علم کا آغاز مغازی سے ہوا تھا لہٰذا جہادی تحریکیں جہاد کو رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا غالب پہلو سمجھتی ہیں اور اسی میں اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی نجات سمجھتی ہیں۔ اور اس کی تمام تر توجیہہ سیرت رسول ﷺ سے ہی پیش کی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا جہاد کو اسلام کی چوٹی کہنا؛ [۴۷] یہ فرمانا کہ میرا رزق میرے نیزے کی انی تلے ہے؛ [۴۸] اور یہ کہ فتنوں کے دور میں وہ شخص فتنے سے محفوظ رہے گا جو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہوگا؛ [۴۹] جہادی فکر رکھنے والوں کو اپنے جہادی پروگرام کے لئے ایک سند مہیا کر دیتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ اہمیت کی حامل ہیں رسول اللہ ﷺ کی وہ پیشینگوئیاں جو انہوں نے آخری زمانے، دجال اور مسیح علیہ السلام کے متعلق بیان کیں اور جو کتب احادیث میں صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔ [۵۰] ایک عالمگیر معاشرے کے قیام کے حوالے سے ان پیشینگوئیوں کی خاص بات ان فیصلہ کن جنگوں کا ذکر ہے جو مسلمانوں اور دیگر اقوام کے درمیان لڑی جائیں گی اور جن کے نتیجے میں حق کو غلبہ حاصل ہوگا۔ [۵۱] اس کے علاوہ بے شمار روایات ایسی ہیں جن میں جہاد کی عظمت کو بیان کیا گیا اور اسے ترک کرنے والوں کو ذلت و پسپائی کی وعید سنائی گئی ہے۔ قرآن کی پوری پوری سورتیں جہاد کے حوالے سے نازل ہوئیں ہیں۔ لہٰذا جہادی فکر رکھنے والے ان آیات اور احادیث کی عملی تعبیر کی طرف دعوت دیتے ہیں اور کفر کے لئے تصادم یا جزیہ کے علاوہ کسی اور راہ کے قائل نہیں ہیں۔ جہادی تحریکیں اپنے لٹریچر میں شدومد کے ساتھ سیرت کے اسی پہلو کو اجاگر کر رہی ہیں جس سے تہذیبوں کے درمیان تصادم کے امکانات فکری اور عملی دونوں حوالوں سے نقطہ عروج کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

جہاد اسلامی تہذیب کا ایک اہم شعار ہے لیکن اس کے لئے ایک ٹھوس لائحہ عمل کی ضرورت ہے جس کے لئے سب سے ضروری چیز مسلم معاشروں کو ٹھوس بنیادوں پر قائم کرنا ہے۔ اس کے بغیر مسلمان اپنی حکومتوں سے برابری کی سطح پر معاملات طے نہیں کر سکیں گے اور جہاد کو متوازن بنیادوں پر قائم رکھنا حکومتی عمل دخل کے بغیر ممکن نہیں۔ نتیجتاً معاملہ وہی ہوگا جس کا مشاہدہ ہم شمالی علاوہ جات میں کر رہے ہیں۔ مسلم معاشرے اسی چیز میں تذبذب کا شکار ہیں کہ جہاد ہے کیا چیز۔ اس چیز پر جب تک اتفاق رائے نہیں ہو جاتا ہم کسی کی جنگ کو اپنی جنگ سمجھ کر لڑتے رہیں گے۔ اس پر اتفاق رائے کے لئے سیرت کی تعلیمات اور ان کے فہم کو زیادہ زیادہ پھیلانے کی ضرورت ہے۔

بین التہذیبی تعلقات اور ناموس رسالت ﷺ ۔۔۔ مستقبل کا لائحہ عمل

موجودہ صورت حال میں غور طلب بات یہ ہے کہ بین التہذیبی تصادم میں فکری حوالے سے مغرب جس چیز کو نشانہ بنا رہا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ذات سے ہی امت مسلمہ کا تصور ہے۔ وقتاً فوقتاً مختلف

طریقوں سے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی سے ان کا مقصد وہی ہے جو پہلے بیان کیا جاچکا کہ جب مسلمان ان چیزوں پر احتجاج کرنا چھوڑ دیں گے تو انہیں ماڈرن ہونے کی سند دے دی جائے گی۔ دوسرے لفظوں میں مغرب نے رسول اللہ ﷺ کی ذات کو بین التہذیبی تصادم کی بنیاد بنا رکھا ہے۔ جہاں تک تعلق ہے مسلمانوں کا تو ان میں ہم چار قسم کے گروہوں یا نقطہ ہائے نظر کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔ جدید طرز پر لکھنے والے محققین ہیں جو موجودہ دور کے مسائل کے لئے سیرت کی رہنمائی کو مختلف زاویوں سے پیش کرتے ہیں اور پرامن طریقوں سے سیرت کے آفاقی پیغام کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ سنجیدہ اور علمی رجحان رکھنے والے مسلمان ان کی تائید کرتے ہیں لیکن یہ تعداد میں بہت کم ہیں۔ جہادی تحریکیں ہیں جن کا سیرت کے بارے میں نقطہ نظر واضح کیا جاچکا؛ زیادہ تر جوشیلے نوجوان ان کے انقلابی پروگراموں سے بہت متاثر ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو شہادت کے لئے پیش کردیتے ہیں۔ روایتی ملاؤں کا گروہ ہے جو عامۃ الناس کو رسول اللہ ﷺ کے فضائل ومناقب کے بارے میں رطب و یابس روایات سنا کر ان سے دادِ خطابت وصول کرنا ہی اپنا مقصد سمجھتا ہے۔ اور آخر میں سیکولرزم سے متاثر طبقہ رہ جاتا ہے جو اس قسم کے جھگڑوں میں پڑنے کا روادار نہیں اور ہر قیمت پر مغرب کی بالادستی کو قبول کرتے ہوئے ایک عالمگیر معاشرے کا قیام کا خواہاں ہے۔ یعنی نیو ورلڈ آرڈر کا حمایتی ہے۔

اس صورت حال میں ایک بات تو مسلمانوں کو دنیا پر واضح کردینی چاہئے کہ رسول اکرم ﷺ کی گستاخی پر کسی قسم کا کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔ دوسرا چیلنج مسلم دنیا کے لئے یہ ہے کہ وہ سیرت کے حوالے سے ایک متفقہ تصور کو فروغ دینے کے لئے لائحہ عمل تیار کریں اور سیرت سے رہنمائی کی راہ کو متعین کریں۔ سیرت پر بے شمار کام ہوا اور اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کی اشاعت کے موثر ذرائع اختیار کئے جائیں تاکہ ہر مسلمان کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا صحیح ادراک میسر آئے۔ جب مسلم امہ مجموعی طور پر سیرت کی سمجھ رکھے گی تب ہی وہ توحید کی بنا پر ایک عالمگیر معاشرے کے قیام کا معاملہ طے کرنے کی سطح پر آسکے گی۔

حاصل کلام (Conclusion)

الٰہی ہدایت توحید اور انسانی مساوات کی بنا پر ایک عالمگیر معاشرے کا درس دیتی ہے۔ تمام انبیا کی دعوت انسانیت کو توحید کے اصول پر اکٹھا کرنا کے لئے تھی۔ اس عالمگیریت کے تمام لوازمات اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی بعثت میں ودیعت کئے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیاسی حکمت عملی عالمگیریت کا مظہر تھی جو دراصل اپنے اندر ایک مکمل تہذیب کے ضوابط سموئے ہوئے تھی لیکن مسلمانوں کی تیزی سے پھیلتی فتوحات نے اسلام کے تہذیبی پہلو کو پس منظر میں دھکیل دیا اور مسلمانوں کی عالمگیریت مسلم سلطنت کی توسیع کے طور پر جانی گئی۔ مغربی تہذیب کی آفاقیت کے نظریہ نے مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ وہ اسلامی تہذیب کی عالمگیریت کے دلائل کو قرآن وحدیث سے اکٹھا کریں اور اس کے نفاذ کے لئے لائحہ عمل تیار کریں۔ اسلامی احیا کی تحریکیں عالمی تہذیبی کشمکش کے تناظر میں ہی چلائی گئیں۔ لہٰذا عالمگیر تہذیب کے حوالے سے اسلام کی تعلیمات جدید دور میں مرتب ہوکر

سامنے آئیں۔

اسلامی تہذیب کے اصول وضوابط عالمگیر یت کی صفات سے متصف تھے اسی لئے کسی با قاعدہ منصوبے کی عدم موجودگی میں بھی اسلامی تہذیب کا دوسری تہذیبوں سے اختلاط بارآور ثابت ہوااور دنیا میں پرامن معاشروں کے مظاہر منصۂ شہود پر آئے۔ لہٰذا ایک عالمگیر معاشرے کے قیام میں اسلامی تہذیب کا اصل مسئلہ دوسری تہذیبوں سے اختلاط تھا۔ اپنے پروان چڑھنے کے تمام عرصے میں اسے مختلف صورت احوال سے پالا پڑا لیکن اسلامی تہذیب نے اپنے اصول وضوابط تبدیل نہ کرتے ہوئے دوسری تہذیبوں کی کارہائے نمایاں کو اپنے اندر جگہ دی۔

لہٰذا اصولی یا مذہبی حوالے سے اسلامی تہذیب کا کسی سے کوئی سمجھوتہ نہیں؛ اس کا اصول إِنَّ الـدِّيْـنَ عِـنـدَ الـلّـهِ الإِسْلاَمُ سے عبارت ہے۔ سیاسی حوالے سے غیر مسلم حکومتوں سے معاہدات اور غیر مسلم رعایا کے مکمل حقوق تسلیم کئے گئے ہیں لیکن غالب حیثیت سے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے قول کے مطابق **الاسلام یعلو و یعلی** (غلبہ اسلام کے لئے ہے اور اس کا مغلوب ہونا منظور نہیں۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز)۔ لہٰذا مغلوب ہونے کی صورت میں جہاد کی راہ کو اپنایا جائے گا اس وقت تک **حتی لاتکون فتنة و یکون الدین لله** ۔معاشرت اور سماج میں اختلاط کی نوعیت تقارب اور ہم آہنگی کی ہے لیکن جاہلیت کے عنصر کو نکال کر؛ ہندوؤں کے اختلاط سے ایک نئی زبان کو تو فروغ دیا جاسکتا ہے لیکن ہولی اور بسنت میں شرکت ممنوع ہے۔ معاشی پہلو میں اللہ تعالیٰ نے تخصیص سے ان لوگوں سے جنگ کا اعلان کیا ہے جو سود کی معیشت کو اپنائے ہوئے ہیں۔ فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ (جان رکھو جنگ ہے اللہ اور رسول کے ساتھ)۔اس لئے بینکنگ کے نظام میں کوئی ہم آہنگی نہیں سوائے اس کے کہ سود کو منہا کر دیا جائے۔ اپنے دور عروج میں اسلامی تہذیب نے دیگر تہذیبوں کے اختلاط سے ایسے سماج قائم کئے جس میں دیگر تہذیبوں کے کارنامے اسلام کے رنگ میں رنگے گئے۔

مواصلات کی بے بہا ترقی سے دنیا ایک گلوبل ویلیج (Global Village) کی شکل اختیار کر چکی ہے اور امریکہ کا نیو ورلڈ آرڈر اس ویلیج پر اپنے آپ کو پوری طرح مسلط کرنے کے درپے ہے۔ اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلام کی زندہ و جاوید تعلیمات ہیں جو توحید الٰہی کو بنیاد بنا کر ایک پرامن عالمگیر معاشرے کی دعوت دیتی ہیں۔ لہٰذا اسلام جو خود ایک عالمگیر نظام کا دعویدار ہے اسے ایک ایسے نام نہاد عالمگیر نظام سے واسطہ ہے جس کی بنیاد اسلام مخالف سیکولرزم پر ہے۔ اسلامی تہذیب اور نیو ورلڈ آرڈر کا بنیادی اصول ایک دوسرے سے متصادم ہے لہٰذا تہذیبوں کے تصادم کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔

مسلم دنیا اپنی تہذیب کی بنیاد پر ایک عالمگیر معاشرے کے قیام کی طرف صرف اسی صورت میں پیش رفت کر سکتی ہے جب وہ اپنے پیغمبر ﷺ کی سیرت کی بنیاد پر اسلام کی صحیح معنوں میں اور وسیع بنیادوں پر اشاعت کرے گی اور اس کے ضمن میں ہر قسم کے ابہام کو دور کرے گی۔ یہی چیز مسلمانوں کے اندر اتحاد پیدا کر سکتی ہے جس سے کہ وہ کوئی لائحہ عمل تیار کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

حوالہ جات

ا۔ **قلنا اهبطوا منها جميعاً فاما ياتينكم منى هدى فمن تبع هداى فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون** (ہم نے کہا کہ سب یہاں سے اتر جاؤ پس تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے گی تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا اس پر نہ تو کوئی خوف ہے نہ کوئی غم۔البقرہ ۳۸)

۲۔**وما كان الناس الا امة واحدة فاختلفوا ولولا كلمة سبقت من ربك لقضى بينهم فيما فيه يختلفون** (اور تمام لوگ ایک ہی امت تھے پھر انہوں نے اختلاف پیدا کرلیا اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کررہے ہیں ان کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہوتا۔یونس ۱۹)

۳۔تہذیب عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب اصلاح کرنے کے ہیں۔فکر میں تہذیب انسانی رویوں کی ترقی ہے جن سے اعلیٰ اقدار فروغ پاتی اور پھر قائم ہوتی ہیں۔انہی قائم شدہ اقدار کی بدولت کسی خاص جگہ اور خاص عہد کے لوگ اپنے معاشرتی، سیاسی اور معاشی نظام کو مستحکم کرتے ہیں اور اس طرح دوسروں پر اپنی اقدار کی برتری کو قائم کرتے ہیں۔اور جب کسی ایک جگہ پروان چڑھنے والی تہذیب دوسرے علاقوں پر بھی اپنے اثرات مرتب کرنے لگے تو وہ بزعم خویش عالمگیر تہذیب کا درجہ اختیار کر جاتی ہے۔

۴۔تہذیبی صورتحال سے مراد یہ ہے کہ انسانی زندگی کے مختلف شعبے تہذیب کے ذیل میں آتے ہیں لہٰذا تہذیب نظریہ زندگی کے مترادف ہے۔اسلامی تہذیب کے حوالے سے یہ تصور مزید تقویت پکڑ جاتا ہے۔اس بات کو افضل الرحمٰن نے اپنے تجزیہ میں اس طرح بیان کیا ہے:''جہالت کے زمانہ میں مذہب زندگی کے بقیہ شعبوں کی طرح انسان کی زندگی کا ایک ذیلی شعبہ گنا جاتا تھا؛ لہٰذا کوئی حقیقی ثقافت یا تہذیب مذہبی بنیادوں پر قائم نہیں کی جا سکتی تھی کیونکہ ثقافت اور تہذیب پوری زندگی کا احاطہ کرتی ہے۔جب کبھی مذہب نے ثقافت اور تہذیب پر اپنا اثر ڈالا تو اس نے راہبانہ طرز زندگی اور دنیاوی حیات سے نفرت کے رجحانات کو فروغ دیا۔ جبکہ دوسری طرف جب مادیت پر مبنی کسی ثقافت یا تہذیب نے مذہب پر اپنے اثرات مرتب کئے تو اس کا نتیجہ مذہب کی ابتری کی صورت میں برآمد ہوا۔پیغمبر علیہ صلوۃ والسلام نے عقلی اور عملی ہدایت سے اس جاہلانہ نظریئے کا بدل پیش کیا اور اس ہدایت کی بنیاد پر ثقافت اور تہذیب کا ایک مکمل نظام قائم کیا۔ان کا مذہب کا تصور دنیاوی زندگی کے تمام پہلوؤں کا بھی برابر احاطہ کرتا ہے۔یہ تصور اللہ اور بندے کے تعلق کو اس طرح زیر بحث لاتا ہے کہ بندے کے اس دنیا کے مسائل نظر انداز نہ ہوں''۔

See, *Muhammad -Encyclopedia of Seerah,* vol. 4(London: Muslim Schools Trust, 1986) p. 185

۵۔مروجہ اصطلاح میں عالمگیریت کو Globalization کے متبادل کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے جس سے مراد معیشت کے حوالے سے ایک عالمی منڈی کا قیام ہے جس میں سرمایہ کی منتقلی کے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہو۔یہاں ہم عالمگیریت کو لغوی معنوں میں Universal کے متبادل کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔

۶۔نئے عالمی نظام کی بنیاد بھی معیشت ہی ہے لیکن اس کی آڑ میں دنیا کی معیشت اور سیاست پر امریکہ اور معاشرت پر مغربی تہذیب کی سیادت قائم کرنا ہے۔

۷۔مغربی جمہوریت، اشتراکیت، گلوبلائیزیشن اور نیو ورلڈ آرڈر؛ سب کے سب عالمگیریت کے مظہر ہیں لہٰذا عالمگیریت اور عالمگیر تہذیب کی اصطلاح سے ان تمام تصورات کا احاطہ کرنا مقصود ہوگا۔

۸۔سراج منیر کے الفاظ میں:''نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کی تاریخی معنویت سے ایک یہ جہت بھی وابستہ ہے کہ بحیثیت 'نمونہ کامل' آپ ﷺ کے اوصاف 'بیان'

نہیں بلکہ 'عملی تجسیم' ہیں۔۔۔اور اسلامی تاریخ کا کوئی ایک دائرہ، اسے آپ اپنے تصور قدر کے مطابق کتنا ہی تنگ کیوں نہ کرلیں، اسی کمال کی تاریخی تجسیم کرتا ہے۔ **یا ایھا النبی انا ارسلنک شھداً و مبشراً و نذیراً** یہ خصوصیت دنیا میں کسی اور مذہب اور کسی اور دائرہ تاریخ کو حاصل نہیں۔اس بنیادی مرکز کو تسلیم کرتے ہوئے اب اسلامی تاریخ کے پھیلاؤ پر نظر ڈالئے تو چاہے اس کے کسی پہلو کی تاریخی تجسیم افریقہ میں واقع ہوئی ہو یا انڈونیشیا میں، باعتبار زمان پہلی صدی ہجری کا واقعہ ہو یا پندرھویں صدی کا، وہ بہر صورت نتیجہ اسی تجسیم کمال سے زمان ومکان میں پھیلنے والی لہروں کا ہے اور اس اعتبار سے اس کمال کا ایک نہ ایک درجے میں آئینہ دار بھی ہے۔دیکھئے، سراج منیر، ملت اسلامیہ۔تہذیب وتقدیر، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۷)، ص ۴۴

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے الفاظ میں، ''علم سیرت محض ایک شخصیت کی سوانح عمری نہیں ہے، بلکہ یہ ایک تہذیب، ایک تمدن، ایک قوم، ایک ملت اور ایک الٰہی پیغام کے آغاز اور ارتقاء کی ایک انتہائی اہم، دلچسپ اور انتہائی مفید داستان ہے''۔ دیکھئے، محاضرات سیرت، (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۲۰۰۷)، ص ۱۵

۹۔مغرب نے اپنی تہذیب کے پھیلاؤ کے لئے معیشت کو ہتھیار کے طور پر استعال کیا جو بہت کارگر ثابت ہوا۔مغرب کا معاشی استحاد اور دنیا کی معیشت پر اس کا قبضہ ایسا دباؤ ہے جو ترقی پذیر اور تیسری دنیا کے مما لک کو مغربی تہذیب اپنانے پر مجبور کرتا ہے۔اسلامی تہذیب کے پھیلاؤ اور مغربی تہذیب کے پھیلاؤ میں یہی بنیادی فرق ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں مفتوح اور کمزور اقوام پر ایسا کوئی خوف مسلط نہیں کیا۔ بلکہ مغرب کا معاشی استحکام مشرق کی اسی آزاد معاشی پالیسی کا نتیجہ تھا کہ سیاسی عدم استحکام کے باعث مشرق کی دولت کو آسانی سے مغرب منتقل کردیا گیا۔مغرب نے اس دولت سے ایسا استحصالی نظام قائم کیا کہ دنیا کا کوئی ملک ان کی سیادت کو تسلیم کئے بغیر معاشی طور مضبوط نہیں ہوسکتا۔ایک استثنا چین اور ملائشیا کا ہے لیکن جاننا چاہئے کہ وہ بین الاقوامی سیاست، جو کہ جبر اور استحصال سے مرکب ہے، پر کوئی قابل ذکر اثر نہیں رکھتے اور اپنا ہی پیٹ پالنے تک محدود ہیں۔دوسرا یہ کہ وہاں تہذیب مغرب ہی اپنا جلوہ دکھا رہی ہے لہٰذا مغرب کو ان سے کوئی خاص تعارض نہیں ہے۔بین الاقوامی سیاست کی کلید امریکہ اور یورپ کے پاس ہی ہے جس کی بنیاد ان کا قائم کیا ہوا عالمی معاشی نظام ہے۔

۱۰۔ابن قیم، زاد المعاد، (بیروت: کمپیوٹر سافٹ ویئر مکتبہ شاملہ)، ص ۳۹

۱۱۔ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اپنی اس تعریف کے علاوہ دیگر علماء کی تعریفات کو بھی نقل کیا ہے جو کم وبیش یہی مفہوم رکھتی ہیں دیکھئے، حوالہ سابقہ ص ۱۷

۱۲۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۳ء)، ص ۳۶۹

۱۳۔اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے، سراج منیر، حوالہ سابقہ، ص ۱۹ تا ۳۴

۱۴۔ابن کثیر بحوالہ حافظ صلاح الدین یوسف، احسن البیان، (لاہور: دارالسلام، ۱۹۹۸)، چوتھا ایڈیشن، ص ۸۴۷

۱۵۔ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ یہود ونصاری بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔تم کہو بلکہ صحیح راہ پر ملت ابراہیمی والے ہیں اور ابراہیم خالص اللہ کے پرستار تھے اور مشرک نہ تھے (۱۳۵) اے مسلمانو! تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ دوسرے انبیاؑ دیئے گئے۔ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے؛ ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں (۱۳۶) اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے اچھا رنگ کس کا ہوگا؟ ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں (۱۳۸)

۱۶۔ڈاکٹر محمود احمد غازی، حوالہ سابقہ، ص ۱۴

۱۷۔بعض دفعہ کئی اصولی بے ضابطگیاں بھی، دانستہ طور پر یا نادانستہ طور پر، مسلم معاشرے میں رواج پا گئیں جو بعض اوقات لمبے عرصے تک رائج رہیں، لیکن مسلم علماء

کے مسلسل تفکر کے عمل نے ان کے خلاف باقاعدہ محاذ قائم کیا اور انہیں کم از کم علمی حمایت سے محروم کر دیا لہٰذا اب وہ اسلامی تہذیب کا حصہ نہیں گنی جاتیں۔ اس کی ایک مثال وحدت الوجود کی ہے جس کی اصلاح کے لئے وحدت الشھود کا نظریہ سامنے آیا۔ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں ملے گی۔

۱۸۔ احمد داوتوگلو، "Civilizatioal Self-Perception and Pluralistic Coexistence: A Critical Examination of the Image of 'Other'"، مسلم اینڈ دی ویسٹ۔ اینکاؤنٹر اینڈ ڈائیلاگ، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۱) ص ۱۰۹

۱۹۔ اس خیال کا اظہار ہنٹنگٹن نے موجودہ حقائق کا حوالہ دیکر کیا ہے کہ بین التہذیبی تصادم میں مذہب بہت طاقتور عنصر رہا ہے۔ دیکھئے سموئیل پی ہنٹنگٹن، تہذیبوں کا تصادم، ترجمہ (ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۲) ص ۳۲

۲۰۔ ایضاً، ص ۵۶

۲۱۔ مغربی مفکرین یہی نظریہ رکھتے ہیں کہ معاشرہ انسان کے افکار متعین کرتا ہے اور عملاً بھی مغرب میں یہی طرز عمل اپنایا جاتا ہے کہ جس کی معاشرہ اجازت دے اسے اختیار کر لیا جائے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے، شیخ محمد علی، اسلام اور افکار نو، (کراچی: اسلامک بک کارپوریشن، ۱۹۸۷) ص ۴۷

۲۲۔ ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان والے ہیں اور یہودی اور عیسائی اور صابی جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ان کے لئے اللہ کے ہاں اجر ہے اور ان پر نہ کوئی غم ہے نہ خوف (البقرہ۔ ۶۲)

۲۳۔ ایس ڈی گائٹین، "Minority Self-Rule and Government Control in Islam"، سٹڈیا اسلامکا، جلد ۳۱، ص ۱۰۹

۲۴۔ **جعل الذلة والصغار علی من خالف امری** [جو میرے امر کی مخالفت کرے اس پر ذلت (جزیہ) ڈالی گئی] ابن ابی شیبہ، جز ۸، ص ۶۳۹

۲۵۔ **یاایہا الذین امنوا انما المشرکون نجس** [اے ایمان والو بے شک مشرک نجس ہیں (التوبہ۔ ۲۸)]

۲۶۔ ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، اہل کتاب میں سے اور مشرکوں میں سے، وہ جہنم کی آگ میں ہوں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ **وہ بدترین مخلوق ہیں** (البینہ۔ ۶)

۲۷۔ ترجمہ: اسلام ایک ملت ہے اور کفر ایک ملت۔ اسے عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے، جز ۶ (التراث، لبنان: کمپیوٹر سافٹ ویئر مکتبہ شاملہ) ص ۱۳۰

۲۸۔ اسے عبدالرزاق (جز ۱۱ ص ۴۵۴) اور ابن ابی شیبہ (جز ۸ ص ۶۳۹) نے اپنی اپنی مصنف میں روایت کیا ہے (کتب شاملہ)

۲۹۔ المستدرک علی الصحیحین للحاکم، جز ۶ ص ۴۶۸ (کتب شاملہ)

۳۰۔ شعب الایمان للبیہقی جز ۸ ص ۳۰۴ (کتب شاملہ)۔ یہودی بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات ملنے کی خوشی میں دس محرم کا روزہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ سے ہمارا تعلق زیادہ ہے لہٰذا ہم بھی روزہ رکھیں گے لیکن ایک فرق کے ساتھ۔

۳۱۔ یہ عقیدہ کہ مادہ اور روح ایک ہیں اور ہر چیز میں خدا کا وجود پایا جاتا ہے وحدت الوجود (Monism) کہلاتا ہے، دیکھئے محمد صدیق قریشی، کشاف اصطلاحات تاریخ، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۸) ص ۲۳۵۔ یہ نظریہ مختلف مذاہب میں مختلف شکلوں میں پایا جاتا ہے۔ اسلام میں شیخ محی الدین ابن عربی جو اندلس کے رہنے والے تھے نے وحدت الوجود کو فروغ دیا اور بعد میں یہ ساری اسلامی دنیا میں عام ہو گیا۔ جبکہ وحدت الشھود میں اس وحدت کی نفی کی گئی ہے اور اشیاء کو خدا

سے الگ جانا گیا ہے۔ وحدت الشھو دبھی اسی طرح ساری اسلامی دنیا میں مقبول عام ہوا جس طرح کہ اس سے قبل وحدت الوجود تھا۔

۳۲۔ شیخ محمد اکرام، رودِ کوثر ،(لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۵) ص ۳۴۴

۳۳۔ اس خیال کی تائید اور وحدت الشھو د و وحدت الوجود کے تفصیلی تقابل کے لئے ملاحظہ کیجئے، اشتیاق حسین قریشی، برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، (کراچی: کراچی یونیورسٹی، ۱۹۸۹ء) ص ۱۹۰ تا ۲۰۹

۳۴۔ ہمارے اس سارے تجزیہ کی ایک تلخیص سراج منیر کے درج ذیل اقتباس میں جھلکتی ہے، ''اسلام۔۔ مختلف النوع مزاجوں اور لوازم کو اپنے تہذیبی دائرے میں شامل کر لیتا ہے۔ اور انسانی تجربے کے کسی حصے کو بیکار سمجھ کر نہیں پھینکتا لیکن شرط صرف یہ ہے کہ وہ انسانی تجربہ یا ادارہ حق کی کسی جہت کو ظاہر کرتا ہو۔۔۔ اسی بنیاد پر اسلام نے اپنی تہذیبی کائنات تشکیل دی ہے۔۔۔ ہم نے جن تہذیبی دوائر کا ذکر کیا ہے ان میں ماسبق تہذیبوں کے عناصر کو مواد کی حیثیت میں استعمال کر کے اسلامی تہذیب تشکیل دی گئی ہے۔ لیکن بعض صورتیں ایسی ہیں جہاں اسلامی اور قبل اسلام تہذیبوں کے عناصر کے ملاپ سے ایسی صورتیں ترتیب دی گئی ہیں جنھیں ہم اسلامی تہذیب کا جائز حصہ نہیں گردانتے۔ مثلاً عرب کے بارے میں ہم نے طے کیا تھا کہ وہاں تہذیب کی بنیاد عبد اور معبود کے رشتے کے تعین پر ہے لیکن خوارج کے نقطہ نظر کو ہم اسلامی تہذیب کا جائز حصہ نہیں سمجھتے۔۔۔ ہندوستان کے بارے میں ہم نے عرض کیا تھا کہ تہذیب قدیم کا بنیادی سوال اسلامی تصور حقیقت کے تحت وحدت الشھو د کے تحت آ کر حل ہوا۔'' حوالہ سابقہ، ص ۱۰۷۔۱۰۶

۳۵۔ احمت داوو تو گلو، حوالہ سابقہ، ص ۱۰۸

۳۶۔ ہنٹنگٹن، حوالہ سابقہ، ص ۵۶

۳۷۔ بعد جدیدیت ایک مبہم اصطلاح ہے لیکن مختلف مفکرین نے اس کی جو تشریح کی ہے وہ جدیدیت کا ردعمل کا تاثر دیتی ہے۔ مثلاً Gare کے مطابق،

" Post modernism is marked by a loss of faith in modernity". see, Sreedharan, *A Textbook of Historiography,* (New Delhi: Orient Longman, 2004) p. 281

۳۸۔ ایضاً ص ۴۹۲

۳۹۔ اس سلسلے میں کیوبا، بولیویا اور وینز ویلا قابل ذکر ہیں جنھوں نے امریکی سامراجیت کے خلاف علم بلند کیا۔ حال ہی میں طارق علی نے *Pirates of Caribbean-Axis of Hope* کے عنوان سے ایک کام کیا ہے جس میں ان تینوں ممالک کی سامراج مخالف جدوجہد کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

۴۰۔ باربرا فریئر سٹوواسر، *The Islamic Impulse*، (لندن: کروم ہیم، ۱۹۸۷ء) ص ۲

۴۱۔ اسلامی احیا کی تحریکوں کے قائدین نے ان مغربی طریقوں کو سراہا ہے جو اسلام کی روح سے متصادم نہیں ہیں۔ ان میں شیخ محمد عبدہ، شیخ حسن البنا اور رشید رضا قابل ذکر ہیں۔ مولانا مودودی نے اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں مغربی جمہوریت کو طریقہ کار کی حد تک عین اسلامی کہا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد بھی اس کے قائل ہیں۔ ان شخصیات کے مغرب کے بارے میں افکار پر مختلف سکالرز نے مقالے لکھے جنھیں علی راہنما نے ایک کتاب کی شکل میں ترتیب دیا ہے، دیکھئے، *Poineers of Islamic Revival*، (لندن: زیڈ بکس، ۱۹۹۴ء)

۴۲۔ ایریک ڈیوس نے اپنے مقالہ "The Concept of Islam and the Study of Islam and Politics" میں جو کہ *The*

Islamic Impulse شائع ہوا، اسی بات کو ثابت کیا ہے، ص ۳۷ تا ۵۹

۴۳۔ ۱۹۹۲ء میں سربوں کے ہاتھوں بوسنوی مسلمانوں کا بڑے پیمانے پر قتل عام اور ۲۰۰۱ء میں بھارت کے صوبے گجرات میں ہندوؤں کے ہاتھوں بھارتی مسلمانوں کا قتل عام اس کی تازہ ترین مثالیں ہیں۔

۴۴۔ ہنٹنگٹن، حوالہ سابقہ، ص ۶۰

۴۵۔ ماضی قریب میں یورپی یونین اس فیصلے پر راضی ہوگئی کہ ترکی کو یونین کا ممبر بننے کی درخواست دینے کا اہل قرار دے دیا جائے لیکن ترک پارلیمنٹ کے اندر ایک مسودہ بل کے باعث یہ اہلیت مسترد کردی گئی۔ وہ مسودہ بل یہ تھا کہ ترکی میں بدکاری کو جرم قرار دیا جائے۔ یورپی یونین کے اعتراض پر ترک حکومت نے وہ مسودہ واپس لے لیا لیکن ان کی درخواست دینے کی اہلیت کو بحال نہیں کیا گیا۔ دیکھئے، ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضرات فقہ، (لاہور: الفیصل، ۲۰۰۵) ص ۳۰

۴۶۔ حامد میر، ''قلم کمان''، رونامہ جنگ، لاہور، ۲۰ اپریل ۲۰۰۷ء

۴۷۔ **اما ذروۃ فالجہاد فی سبیل اللہ یعنی ذروۃ الاسلام**، مصنف ابن ابی شیبہ، جز ۳ ص ۵۶۱، کتب شاملہ

۴۸۔ **ان اللہ جعل رزقی تحت رمحی**، مصنف ابن ابی شیبہ، جز ۸ ص ۶۳۹، کتب شاملہ

۴۹۔ صحیح البخاری، باب **من الدین الفرار من الفتن**، کتب شاملہ

۵۰۔ کشمیر میں مجاہدین کی مسلح جدوجہد کے آغاز ہونے سے غزوہ ہند والی روایت کو بڑے اہتمام سے منظر عام پر لایا گیا جس میں فرمایا گیا کہ جو گروہ ہند کے خلاف جہاد کرے گا اسے بخش دیا گیا (بحوالہ ترمذی و ابن ابی حبان)۔ اس پر اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی کے فاضل استاذ نے ''غزوہ ہند'' کے نام سے ایک کتابچہ بھی لکھا جس کی بڑے پیمانے پر اشاعت کی گئی۔ دیکھئے ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد، غزوہ ہند، (لاہور: دارالاندلس، سن ندارد)۔ علاوہ ازیں مختلف خطبات کی میں بھی شدومد کے ساتھ پیشین گوئیوں پر مشتمل احادیث کے حوالے دیئے جاتے ہیں۔

۵۱۔ ولی الدین الخطیب التبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، جلد ۴، (لاہور: مکتبہ دارالسنہ، ۱۹۹۵)، کتاب الفتن

مصادر و مراجع

افضل الرحمٰن Muhammad-Encyclopedia of Seerah لندن: مسلم سکولز ٹرسٹ، ۱۹۸۶ء، ۶ جلد

انصاری، ظفر اسحاق۔، ایل پازیٹو، جان۔ ایل۔ (مرتبین) [Muslim and the West-Encounter and Dialogue] اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۱

پکتھال، محمد محمود ک۔ [Cultural Side of Islam] لاہور: محمد اشرف، ۱۹۶۱ء

حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر۔ خطبات بہاولپور۔ اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۳ء

دھرن، سری۔ [A Text Book of Historiography-500BC to 2000AD] نیو دہلی: اورینٹ لانگ مین، ۲۰۰۴ء

رہنما علی۔ [Pioneers of Islamic Revival] لندن: زیڈ بکس، ۱۹۹۴ء

سٹوواسر، باربرا فریر۔ دی اسلامک امپلز۔ [The Islamic Impulse] لندن: کروم ہیم، ۱۹۸۷ء

علی، محمد، شیخ۔ اسلام اور افکارِ نو۔ کراچی: اسلامک بک کارپوریشن، ۱۹۸۷

غازی، محمود احمد، ڈاکٹر۔ محاضرات سیرت۔ لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۰۷

قریشی، اشتیاق حسین، ڈاکٹر۔ برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ۔ کراچی: کراچی یونیورسٹی، ۱۹۸۹ء

قریشی، محمد صدیق۔ کشاف اصطلاحات تاریخ۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۸

منیر، سراج۔ ملت اسلامیہ۔ تہذیب و تقدیر۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۷

ہنٹنگٹن، پی، سموئیل۔ تہذیبوں کا تصادم۔ ترجمہ، ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۲ء